Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-4 Issue-1 (January-March 2026)
ISSN: (2311-6552)
Published:
January 12, 2026

Historical, Cultural and Preaching Discussions of the Story of Khidhrin Al-Mo'ajam Al-Kabeer Li-Al-Tabarani

المعجم الکبیر للطبرانی میں قصہ خضر علیہ السلام کے تاریخی، تہذیبی و دعوتی مباحث

Ghulzar Ahmad
Ph.D. Scholar, Institute of Islamic Studies & Sharia,
MY University, Islamabad, Pakistan.
Email:rangshahqalandar@gmail.com
Dr. Muhammad Naveed
Assistant Professor, Institute of Islamic Studies & Sharia,
MY University, Islamabad.
Email:h.m.naveed91@gmail.com

Abstract:

Islam is a comprehensive and holistic system of life that provides guidance for all dimensions of human existence. In order to ensure human welfare and moral refinement, Allah Almighty sent a continuous chain of prophets, culminating in the finality of Prophethood with Prophet Muhammad ﷺ.One of the most effective methods adopted by the Qur'an and Sunnah for conveying divine guidance is the use of narratives and historical accounts (qiṣaṣ), through which moral, spiritual, and civilizational lessons are conveyed in a manner that directly appeals to human intellect and emotion.This research examines the narrative of Ḥaḍrat Khiḍr (peace be upon him) as reported in al-Muʿjam al-Kabīr by Imām al-Ṭabarānī, with a particular focus on its historical, civilizational, and daʿwah-oriented dimensions. The study highlights that prophetic and post-prophetic narratives preserved in ḥadīth literature are not merely historical records but are purposeful instruments of ethical instruction, spiritual discipline, and social reform. The narrative of Khiḍr (ʿalayhi al-salām), especially his voluntary acceptance of enslavement for the sake of charity, reflects profound concepts such as reliance upon Allah (tawakkul), voluntary poverty (faqr), patience (ṣabr), gratitude (shukr), and absolute submission to the divine will.The paper further explores scholarly discussions regarding the identity, status, and longevity of Ḥaḍrat Khiḍr (ʿalayhi al-salām), demonstrating that despite classical اختلافات among scholars, the central moral and daʿwah message of the narrative remains unaffected. From a civilizational perspective, the story challenges materialistic notions of freedom, dignity, and success by presenting servitude to Allah as the highest form of human honor and liberation. From a daʿwah standpoint, the narrative exemplifies practical preaching through character, humility, and silent moral influence rather than verbal

exhortation alone. The study concludes that the narratives found in ḥadīth literature" particularly the account of Ḥaḍrat Khiḍr (ʿalayhi al-salām) "offer timeless guidance for contemporary society. When examined through a historical, ethical, and daʿwah-centered framework, these narratives provide profound solutions to modern spiritual and moral crises, reaffirming the relevance of prophetic storytelling as a transformative tool for individual and collective reform.

Keywords: Ḥaḍhrat Khiḍr (ʿalayhi Al-Salām), Prophetic Narratives, Ḥadīth Literature, Al-Muʿjam Al-Kabīr, Civilizational Studies, Daʿwah Methodology, Moral and Ethical Lessons, Islamic Spirituality, Tawakkul and Faqr, Qurʾān and Sunnah.

موضوعِ تحقیق کا تعارف:

اسلام محض چند عبادات یا اخلاقی ہدایات کا مجموعہ نہیں، بلکہ یہ ایک ہمہ گیر اور مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو انسان کی انفرادی، اجتماعی، روحانی اور معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت، کمزوریوں اور ضروریات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس کی ہدایت اور فلاح کے لیے ہر دور میں انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، تاکہ وہ انسانوں کو حق و باطل کے درمیان فرق سمجھائیں، انہیں سیدھی راہ دکھائیں اور عملی زندگی میں اللہ کی مرضی کے مطابق جینے کا طریقہ سکھائیں۔ یہ سلسلۂ نبوت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر آکر مکمل ہوا، جن کے بعد اب کسی نئے نبی کی ضرورت باقی نہیں رہی، کیونکہ آپ ﷺ کی شریعت قیامت تک کے لیے کافی اور جامع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآنِ مجید میں اور نبی اکرم ﷺ نے اپنی احادیثِ مبارکہ میں انسانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے محض احکام و قوانین پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ ایک نہایت حکیمانہ اور فطرت سے ہم آہنگ اسلوب اختیار کیا، اور وہ ہے قصص و حکایات کا اسلوب۔ قرآن و حدیث میں سابقہ انبیاء، ان کی قوموں، صالحین اور گمراہ اقوام کے واقعات اس لیے بیان کیے گئے ہیں تاکہ لوگ ان کے انجام کو دیکھ کر نصیحت حاصل کریں، نیکی کی راہ اختیار کریں اور برائی سے بچیں۔ درحقیقت انسان کے لیے کسی بات کو قصے کے ذریعے سمجھنا نسبتاً آسان، مؤثر اور دیرپا ہوتا ہے، کیونکہ قصہ عقل کے ساتھ ساتھ دل کو بھی مخاطب کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قصص کا یہ اسلوب براہِ راست قرآن و سنت سے ماخوذ اور ثابت شدہ ہے۔

نوعِ انسانی کی فطرت میں یہ بات ودیعت کی گئی ہے کہ وہ قصص و حکایات کی طرف جلد متوجہ ہوتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ انبیاء کرام، اولیاء عظام، مصلحین اور علماء کرام نے محض عقلیہ و منطقی دلائل پر انحصار نہیں کیا، بلکہ دعوت، اصلاح اور تربیت کے لیے قصص و واقعات کو ایک مضبوط ذریعہ بنایا۔ عوام الناس تک پیغام پہنچانے، دلوں کو نرم کرنے اور فکر کو بیدار کرنے میں قصص کا کردار ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔ حتیٰ کہ خود قرآنِ مجید اور سنتِ نبوی ﷺ کا مجموعی منہج اور اسلوب بھی اسی حقیقت کی تائید کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا کہ گزشتہ اقوام کے قصوں میں عقل و شعور رکھنے والوں کے لیے بڑی عبرتیں پوشیدہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصص محض تاریخی واقعات نہیں، بلکہ زندہ پیغام اور مسلسل رہنمائی کا سرچشمہ ہیں۔

جب قرآنِ کریم میں بیان کردہ انبیاء کرام علیہم السلام اور سابقہ اقوام کے قصص کا گہرے غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کیا جاتا ہے تو انسان محض علمی لذت ہی حاصل نہیں کرتا، بلکہ اس کے دل و دماغ پر ایسے دروس و عبر منکشف ہوتے ہیں جو بسا اوقات صریح اوامر و نواہی سے بھی زیادہ مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔ قصص

انسان کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں، اس کے ضمیر کو جھنجھوڑتے ہیں اور اسے اپنے انجام پر غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں بار بار قصص کا ذکر آیا ہے اور مختلف انداز سے ایک ہی واقعے کو بیان کیا گیا ہے، تاکہ ہر ذہن اور ہر مزاج کا انسان اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

جس طرح قرآنِ مجید میں دروس و عبر، تاریخی شعور، تہذیبی بصیرت اور دعوتی رہنمائی کے لیے قصص کو ایک بنیادی مرجع کی حیثیت حاصل ہے، اسی طرح احادیثِ رسول ﷺ میں بھی قصص کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ احادیثِ نبویہ میں بیان ہونے والے قصص دو طرح کے ہیں: ایک وہ جو عہدِ رسالت سے تعلق رکھتے ہیں اور جن میں نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے واقعات، صحابہ کرام کے حالات اور اسلامی معاشرے کی عملی تصویریں ملتی ہیں اور دوسری قسم وہ ہے جو سابقہ انبیاء اور ان کی امتوں سے متعلق ہے، جنہیں نبی ﷺ نے امت کو نصیحت، تربیت اور عبرت دلانے کے لیے بیان فرمایا۔ یہ قصص اس بات کی دلیل ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دعوت و اصلاح کے میدان میں اسی الٰہی منہج کو اختیار فرمایا جو پہلے انبیاء کا طریقہ رہا ہے۔

قصص کی اہمیت صرف قرآن و حدیث تک محدود نہیں، بلکہ اقوامِ عالم کی تاریخ بھی اس حقیقت کی شاہد ہے کہ ہر تہذیب اور ہر معاشرے نے قصص کو افہام و تفہیم کا ایک مؤثر ذریعہ تسلیم کیا ہے۔ فلسفیوں، مفکرین اور دانشوروں نے ہر دور میں انسانی فکر کی ترسیل اور اخلاقی اقدار کی تعلیم کے لیے قصوں سے کام لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی کوئی زبان اور کوئی زمانہ ایسا نہیں ملتا جہاں کوئی نہ کوئی معروف قصہ یا داستان موجود نہ ہو۔ عربی ادب میں الف لیلہ و لیلہ اور کلیلہ و دمنہ، برصغیر میں ہیر رانجھا اور سوہنی مہینوال جیسی داستانیں اسی انسانی رجحان کی مثالیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصہ گوئی ایک قدیم اور ہمہ گیر انسانی روایت ہے جو ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہے۔

البتہ یہاں یہ نکتہ نہایت اہم ہے کہ دنیا کے عام قصص اور داستانوں میں سے بہت سے قصے خیالی، فرضی یا محض تفریحی نوعیت کے حامل ہوتے ہیں، جن کا حقیقتاً اخلاقی رہنمائی سے کوئی مضبوط تعلق نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس حدیثِ نبوی ﷺ ایک نہایت مستند، محفوظ اور قابلِ اعتماد ذریعۂ علم ہے۔ حدیث کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی فنی حیثیت، اسناد کی تحقیق اور راویوں کی جانچ پرکھ کے لیے ایک مکمل علمی نظام موجود ہے، جس کی مثال کسی اور تاریخی ذخیرے میں نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی تاریخی کتاب پر اتنا اعتماد نہیں کیا جا سکتا جتنا اعتماد حدیثِ نبوی ﷺ پر کیا جاتا ہے۔

اس پس منظر میں یہ ضرورت شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ احادیثِ نبوی ﷺ میں موجود قصص پر باقاعدہ تحقیقی و تجزیاتی کام کیا جائے، تاکہ ان کے اندر موجود تاریخی، تہذیبی، اخلاقی اور دعوتی پہلوؤں کو واضح کیا جا سکے اور امتِ مسلمہ کو ان سے صحیح معنوں میں رہنمائی فراہم کی جا سکے۔ انہی علمی و دعوتی ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے زیرِ نظر مضمون "المعجم الکبیر للطبرانی میں قصۂ خضر علیہ السلام کے تاریخی، تہذیبی اور دعوتی مباحث" کو بطورِ خاص منتخب کیا گیا ہے، تاکہ اس قصے کی روشنی میں عصرِ حاضر کے انسان کو ایمان، توکل، فقر، صبر اور دعوت کے بنیادی اصولوں سے روشناس کرایا جا سکے، اور یہ واضح کیا جا سکے کہ احادیثِ نبوی ﷺ کے قصص آج بھی انسانی زندگی کی رہنمائی کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: «أَلَا أُحَدِّثُكُمْ عَنِ الْخَضِرِ؟» قَالُوا: بَلَى، يَا رَسُولَ اللهِ. قَالَ: "بَيْنَا هُوَ ذَاتَ يَوْمٍ يَمْشِي فِي سُوقِ بَنِي إِسْرَائِيلَ--- ثُمَّ نَجَّانِي مِنْهَا

(حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: تمہیں خضر کے متعلق نہ بتاوں؟ صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: حضرت خضر ایک دن بنی اسرائیل کے بازار میں چل رہے تھے، ایک مسکین آدمی نے آپ کو دیکھا، اس نے

کہا: مجھے صدقہ دیں! اللہ آپ کو برکت دے! حضرت خضر نے فرمایا: میں اللہ پر ایمان لایا، جو امر اللہ نے چاہا میرے پاس کوئی شے تجھے دینے کے لیے نہیں ہے۔ مسکین نے کہا: میں اللہ کے لیے مانگ رہا ہوں، آپ مجھے صدقہ کیوں نہیں دیتے ہیں؟ میں نے آپ کے چہرے میں دیکھا ہے اور میں آپ سے برکت کی امید رکھتا ہوں۔ حضرت خضر نے فرمایا: میں اللہ پر ایمان لایا، میرے پاس کوئی شے نہیں ہے جو تمہیں دوں سوائے اس کے کہ مجھے پکڑو اور بیچ دو۔ مسکین نے کہا: کیا یہ درست ہے؟ حضرت خضر نے فرمایا: جی ہاں! میں حق کہتا ہوں، آپ نے مجھ سے بڑے امر کے بدلے سوال کیا ہے لیکن میں اپنے رب کی رضا کے بدلے تجھے بے مراد نہیں کروں گا، تو مجھے فروخت کر۔ وہ انہیں لے کر بازار گیا اور انہیں 400 درہم کے بدلے فروخت کیا۔۔۔ پس اس آدمی نے کہا: میں اللہ پر ایمان لایا، اے اللہ کے نبی! میں نے معلوم نہ ہونے کی بناء پر آپ کو مشقت میں ڈالا۔ آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، تو نے اچھا کام کیا اور نیکی کو باقی چھوڑا پس اس آدمی نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! میرے گھر والوں اور مال کے حوالے سے کوئی ایسا حکم دیں جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے، یا میں آپ کو اختیار دیتا ہوں، پس میں آپ کا راستہ چھوڑتا ہوں، پس آپ نے فرمایا: مجھے پسند ہے کہ تو میرا راستہ چھوڑ دے، پس میں اپنے رب کی عبادت کروں، پس اس نے آپ کو آزاد کر دیا۔ پس حضرت خضر نے کہا: شکر ہے اس ذات کا جس نے مجھے غلامی کی زندگی میں ڈالا، پھر اس سے مجھے نجات دی۔

تاریخی مباحث:

درج بالا قصہ میں حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر ہوا، جن کے تاریخی مباحث درج ذیل ہیں:۔

حضرت خضر علیہ السلام کا تعارف:

لفظِ ''خضر'' کی بابت علمائے لغت نے فرمایا ہے کہ اس کو خَضِر، خَضر، خِضر (آخر الذکر دونوں میں ضاد کے سکون کے ساتھ) پڑھ سکتے ہیں۔ بقول امام ابن حجر عسقلانی حضرت خضر علیہ السلام کے نام کی بابت دس (۱۰) اقوال ہیں، جن میں سے زیادہ مشہور و معروف نام ''بلیا بن ملکان'' ہے، آپ کی کنیت ابو العباس اور لقب خضر ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی، حضرت وہب بن منبہ، قتیبہ و نووی رحمہم اللہ کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کا نسب نامہ ''بلیا بن ملکان بن فالغ بن شالخ بن عامر بن ارفخشذ بن سَام بن نوح'' ہے۔ آپ کا لقب خضر اس لیے ڈالا گیا کہ خضر کا معنٰی و مفہوم سرسبز و شاداب کے ہیں، نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت خضر علیہ السلام ایک خشک زمین پر بیٹھے، اور جب اٹھے تو وہی خشک زمین سرسبز و شاداب ہو گئی، پس اسی وجہ سے آپ کو خضر کا لقب دیا گیا۔ حضرت خضر علیہ السلام کون تھے؟ اس کی بابت تین اقوال ہیں:

۱۔ فرشتہ، جو انسانوں کی شکل اپنائے ہوئے ہے۔
۲۔ عظیم الشان ولی ہیں۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں، جمہور علماء محققین اسی کے قائل ہیں کہ آپ نبی تھے، مزید برآں قرآن کریم میں مذکور آپ کا یہ فرمان "وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي" یہ سب کچھ میں نے اپنے مرضی سے نہیں کیا (بلکہ اللہ تعالیٰ کی چاہت پر کیا) سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نبی تھے۔

امام ابن حجر عسقلانی، امام نووی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات میں اختلاف ہے، کثیر علماء فرماتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں، ہمارے ہاں موجود ہیں، اور صوفیا، اہل اصلاح و معرفت کا اس پر اتفاق ہے، حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھنے، ان سے اخذ و استفادہ کرنے، سوال و جواب کرنے کی بابت کثیر حکایات موجود ہیں، جن کو گردانا ایک مشکل امر ہے۔ شیخ ابو عمرو بن الصلاح نے بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ جمہور علماء و صالحین سے لے کر بعض عوام الناس تک، کے

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-4 Issue-1 (January-March 2026)
ISSN: (2311-6552)
Published:
January 12, 2026

ہاں زندہ ہیں، جبکہ بعض محدثین اس کے انکاری نظر آتے ہیں، اس بحث کو ذکر کرنے کے بعد امام ابن حجر عسقلانی حیاتِ استمراری کے قائلین کا مناقشہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ کسی بھی طالبِ حدیث، جو نقدِ حدیث کا ادنی سا بھی اہتمام کرتا ہو، کے ہاں یہ امر مخفی نہیں ہے کہ تمام احادیث مرفوعہ و موقوفہ جو حضرت خضر علیہ السلام کی استمراری حیات پر دلالت کرتی ہیں، اور تمام حکایات واخبار اور قصص جو آپ کے استمراری حیات کی بابت وارد ہوئے ہیں، قابل حجت نہ ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کثیر صوفیا و اہلِ اصلاح حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے قائل ہیں، جبکہ محدثین میں سے علوم حدیث کے بعض ماہرین آپ کی استمراری حیات کے قائل نہ ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

تہذیبی ودعوتی مباحث:

اس "قصۃ الحدیث" کے بڑے اہم تہذیبی ودعوتی مباحث ہیں، منجملہ ان کے یہ ہیں کہ رضائے الٰہی کے لیے اپناسب کچھ قربان کر دینا بلکہ اپنے آپ کو بھی اس کی رضا کے حصول کے لیے فروخت کر دینا، نیز اس کی آزمائش پر پورا اترنا اللہ کے خاص بندوں کا شیوہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو طاقت، رفعت اور عظمتوں اور بڑھائیوں سے نوازتے ہیں بلکہ اس قابل بنا دیتے ہیں کہ ان کے زبان سے نکلی ہوئی بات کو پورا فرما دیتے ہیں۔ اور اس طرح کے امور عہدِ خضر علیہ السلام میں بھی ہوتے آئے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام کا یہ واقعہ محض ایک صدقے یا غلامی کا قصہ نہیں، بلکہ ایمان، توکل، فقر، دعوت، اور بندگی کی ایک مکمل تہذیب کا آئینہ دار ہے۔ یہ قصہ ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ کے نیک بندے بازاروں، غلامی، غربت اور مجبوری کے لمحات میں بھی دعوت الی اللہ کا عملی نمونہ ہوتے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام کا یہ واقعہ بظاہر ایک مختصر اور سادہ قصہ معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت میں یہ ایمان، فقر، توکل، دعوت، اخلاق، اور تہذیبِ عبدیت کا ایک جامع منشور ہے۔ اس قصے میں نہ کوئی طویل مکالمہ ہے، نہ کسی معجزے کا ظاہری تذکرہ، مگر اس کے باوجود یہ واقعہ انسانی روح پر گہرا اثر چھوڑتا ہے، کیونکہ یہاں دعوت زبان سے نہیں، حال سے دی گئی ہے، اور یہی دعوت کی سب سے مؤثر صورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا صحابۂ کرام کو یہ قصہ سنانا اس بات کی دلیل ہے کہ امتِ مسلمہ کے لیے اس میں محض تاریخی دلچسپی نہیں بلکہ ہمہ وقتی رہنمائی موجود ہے۔

یہ واقعہ بنی اسرائیل کے بازار میں پیش آتا ہے، اور بازار کسی بھی معاشرے کی تہذیبی واخلاقی کیفیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ بازار وہ جگہ ہے جہاں انسان کا اصل چہرہ سامنے آتا ہے، یہاں عبادت، زہد یا تصنع کا کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ یہاں حرص، خود غرضی، نفع پرستی اور مادیت غالب ہوتی ہے۔ ایسے ماحول میں حضرت خضر علیہ السلام کا موجود ہونا اور وہاں اللہ پر ایمان کا اعلان کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ کے بندے کسی خاص جگہ یا لباس کے محتاج نہیں ہوتے۔ وہ جہاں ہوتے ہیں، وہیں دعوت بن جاتے ہیں۔ آج کے دور میں بازار کی شکل بدل چکی ہے، مگر اس کی روح وہی ہے۔ آج کے بازار شاپنگ مال، آن لائن پلیٹ فارمز، سوشل میڈیا اور کارپوریٹ دفاتر ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا آج کا مسلمان بھی ان مقامات پر خضر علیہ السلام جیسا کردار ادا کر رہا ہے، یا وہ انہی بازاروں میں اپنی شناخت کھو بیٹھتا ہے؟

مسکین کا حضرت خضر علیہ السلام سے سوال محض مالی امداد کی درخواست نہیں، بلکہ یہ ایک روحانی امتحان ہے۔ وہ کہتا ہے: "میں اللہ کے لیے مانگ رہا ہوں"۔ یہ جملہ گویا سوال کرنے والے سے زیادہ سنے جانے والے کا امتحان ہے۔ اللہ کے نام پر مانگنے والا دراصل سامنے والے کے ایمان، یقین اور ایثار کو آزما رہا ہوتا ہے۔

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-4 Issue-1 (January-March 2026)
ISSN: (2311-6552)
Published:
January 12, 2026

یہی وجہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ہر جواب میں سب سے پہلے اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہیں: "میں اللہ پر ایمان لایا"۔ یہ تکرار محض الفاظ کی تکرار نہیں، بلکہ یہ دعوتی اسلوب ہے، جو یہ پیغام دیتا ہے کہ مؤمن کا ہر فیصلہ، ہر ردِ عمل اور ہر قربانی ایمان سے جڑی ہونی چاہیے۔ آج کے دور میں ہم نیکی کرتے وقت بھی اپنے ایمان کا اعلان نہیں کرتے، بلکہ یا تو سماجی دباؤ میں آکر دیتے ہیں یا ذاتی تسکین کے لیے۔ حضرت خضر علیہ السلام ہمیں سکھاتے ہیں کہ ایمان نیت کی بنیاد بھی ہے اور عمل کی پہچان بھی۔

مسکین کا یہ کہنا کہ "میں نے آپ کے چہرے میں برکت دیکھی ہے" ایک نہایت گہرا تہذیبی نکتہ رکھتا ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ باطن کی پاکیزگی ظاہر پر اثرانداز ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ کی پہچان ان کے مال، لباس یا مرتبے سے نہیں، بلکہ ان کے چہرے کی روشنی، گفتار کی سچائی اور کردار کی سادگی سے ہوتی ہے۔ آج کا انسان ظاہری تاثر، برانڈ اور شہرت کا اسیر ہو چکا ہے، مگر یہ قصہ یاد دلاتا ہے کہ اصل اثر نورِ دل سے پیدا ہوتا ہے، نہ کہ ظاہری شان سے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

یاد رہے کہ آپ ﷺ نے یہ مومن کی فراست بیان کی ہے اور بذاتِ خود نبی علیہ السلام کا مقام کیا ہو گا۔ بہر حال جب حضرت خضر علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ "میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ نہیں، سوائے اس کے کہ مجھے پکڑو اور بیچ دو"، تو یہاں فقر کی وہ بلند ترین مثال سامنے آتی ہے جو تاریخ میں کم نظر آتی ہے۔ یہ وہ فقر نہیں جو مجبوری سے پیدا ہو، بلکہ یہ اختیاری فقر ہے، جو اللہ کی رضا کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ یہاں انسان نہ صرف مال بلکہ اپنی آزادی، اپنی حیثیت اور اپنی پہچان تک قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں عبدیت اپنے عروج کو پہنچتی ہے۔ آج کا انسان معمولی نقصان پر بھی پریشان ہو جاتا ہے، مگر حضرت خضر علیہ السلام ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں اگر سب کچھ بھی چلا جائے تو بھی خسارہ نہیں، بلکہ اصل کامیابی ہے۔

یوں عہدِ بنی اسرائیل میں بھی ایسے شاندار لوگ ہوئے ہیں، جنہوں نے اپنے نفس تک کو فی سبیل اللہ پیش کر دیا، لیکن ان کے پایۂ استقلال میں جنبش نہ آئی، نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے سامنے اس واقعہ کا ذکر کیا تاکہ اگر ان کو دین کی راہ میں تکلیفوں اور ایذاؤں کو برداشت کرنا پڑے، تو وہ ان پر صبر کریں اور ان کے اندر حوصلہ پیدا ہو، اور وہ حضرت خضر علیہ السلام کو اپنے لیے اسوہ، نمونہ اور اپنا آئیڈیل بنائیں، اور دین حق پر مضبوطی سے جمے اور ڈٹے رہیں۔ قرآن کریم میں بھی عزیمت کی بابت تذکرہ ملتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا خود کو فروخت کروانا بظاہر غلامی ہے، مگر حقیقت میں یہ اللہ کے سوا ہر بندھن سے آزادی کا اعلان ہے۔ یہ واقعہ ہمیں غلامی اور آزادی کے حقیقی مفہوم پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ آج کا انسان خود کو آزاد سمجھتا ہے، مگر درحقیقت وہ خواہشات، نظام، دولت اور طاقت کا غلام ہے۔ اس کے برعکس حضرت خضر علیہ السلام بظاہر غلام بنتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ صرف اللہ کے بندے ہیں، اور یہی بندگی اصل آزادی ہے۔ یہ قصہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان جس کا غلام بن جاتا ہے، وہی اس کا ہمدرد بن جاتا ہے، اور جو اللہ کا "عبد" بن جائے، وہ دنیا کے ہر غم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

چار سو درہم میں فروخت ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ کے بندے کی قدر و قیمت دنیا نہیں لگا سکتی۔ یہ رقم نہ بہت زیادہ ہے، نہ بہت کم، مگر اس کے ذریعے یہ پیغام دیا گیا ہے کہ دنیا کی نظر میں انسان کی قیمت کچھ بھی ہو سکتی ہے، مگر اللہ کے نزدیک اس کی قیمت ایمان، اخلاص اور قربانی سے متعین ہوتی ہے۔

آج کا معاشرہ انسان کو اس کی تنخواہ، عہدے اور حیثیت سے پرکھتا ہے، مگر یہ قصہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ انسان کی اصل قدر اس کے رب کے ساتھ تعلق میں ہے۔

جب خریدار حضرت خضر علیہ السلام کی حقیقت پہچان لیتا ہے اور ایمان لے آتا ہے، تو یہ کردار کی دعوت کی سب سے روشن مثال بن جاتا ہے۔ نہ کوئی وعظ، نہ کوئی دلیل، نہ کوئی مناظرہ صرف صبر، قربانی اور اخلاص۔ یہی وہ دعوت ہے جو دلوں کو بدل دیتی ہے۔ آج ہم دعوت کے لیے الفاظ، کتابیں اور تقاریر تو بہت استعمال کرتے ہیں، مگر کردار کی دعوت ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ یہ قصہ اعلان کرتا ہے کہ خاموش عمل، بلند آواز تقریر سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا یہ فرمان کہ "تونے اچھا کام کیا اور نیکی کو باقی رکھا" ہمیں نیکی کے تسلسل کا درس دیتا ہے۔ نیکی کا اصل حسن یہ نہیں کہ وہ ایک لمحے کے لیے ہو، بلکہ یہ ہے کہ وہ عادت اور رویہ بن جائے۔ آج کے دور میں ہم وقتی جذبات میں آکر نیکی کر لیتے ہیں، مگر پھر اسے جاری نہیں رکھتے۔ یہ قصہ ہمیں سکھاتا ہے کہ اللہ کو وہ نیکی پسند ہے جو مستقل ہو، چاہے وہ بظاہر چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، اس وقت ان کے پاس ایک عورت موجود تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"یہ کون ہے؟"

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا:

فلاں عورت ہے، اور وہ اس کی نماز (کثرتِ عبادت) کا ذکر کر رہی تھیں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"بس رہنے دو! اتنا ہی عمل لازم پکڑو جتنا تم کر سکو، کیونکہ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ (ثواب دینے سے) نہیں تھکتا یہاں تک کہ تم خود تھک جاؤ۔"

اور آپ ﷺ کو دین میں وہ عمل سب سے زیادہ محبوب تھا جس پر کرنے والا خود دوام اختیار کرے۔

خریدار کا حضرت خضر علیہ السلام کو اختیار دینا اور زبردستی نہ کرنا، دعوت کے اخلاقی اصول کو واضح کرتا ہے۔ اسلام جبر کا دین نہیں، بلکہ اختیار اور رضامندی کا دین ہے۔ حقیقی نیکی وہی ہے جو دل کی آمادگی سے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام آزادی کو ترجیح دیتے ہیں، تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کر سکیں۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ عبادت صرف ظاہری اعمال کا نام نہیں، بلکہ دل کی آزادی اور توجہ کا نام ہے۔

آخر میں حضرت خضر علیہ السلام کا یہ کہنا کہ "شکر ہے اس ذات کا جس نے مجھے غلامی میں ڈالا، پھر نجات دی" قضا و قدر پر کامل رضا کی مثال ہے۔ مؤمن ہر حال میں شکر گزار ہوتا ہے، چاہے وہ آزمائش ہو یا راحت۔ غلامی کا مرحلہ بھی اللہ کی طرف سے تھا، اور نجات بھی اسی کی طرف سے۔ یہ شعور انسان کو شکوے سے بچاتا اور صبر و شکر کے مقام پر فائز کرتا ہے۔ نیز قرآن کریم میں بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی دعا قبول فرماتا ہے، جو ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ بجا لائیں، اور ان کے فضل کو مزید وسعت و بلندیاں عطا کرے گا۔

یہ پورا قصہ مجموعی طور پر ہمیں ایک ایسی تہذیب سے روشناس کراتا ہے جو مادیت کے خلاف، روحانیت پر مبنی، اور عبدیت کو مرکز بناتی ہے۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ اصل عزت آزادی میں نہیں، بلکہ اللہ کی بندگی میں ہے، اصل دولت مال میں نہیں، بلکہ توکل میں ہے، اور اصل دعوت الفاظ میں نہیں، بلکہ کردار میں ہے۔ اگر آج کی امت اس قصے کے پیغام کو سمجھ لے تو اس کے بازار، اس کے تعلقات اور اس کی ترجیحات سب بدل سکتی ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کا یہ واقعہ ہر دور کے

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-4 Issue-1 (January-March 2026)
ISSN: (2311-6552)
Published:
January 12, 2026

انسان کے لیے ایک زندہ پیغام ہے: جو اللہ کے لیے سب کچھ قربان کر دے، اللہ اس کے لیے وہ راستے کھول دیتا ہے جن کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔

خلاصۂ کلام:

یہ تحقیق اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اسلام ایک جامع اور ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے، جو انسانی زندگی کے ہر پہلو عقیدہ، عبادت، اخلاق، معاشرت اور تہذیبی رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطری رغبت، ذہنی سطح اور نفسیاتی ساخت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہدایت و اصلاح کے لیے محض احکام و قوانین پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ قصص و حکایات کو ایک مؤثر دعوتی اور تربیتی ذریعہ بنایا۔ قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویہ ﷺ میں بیان کردہ قصص نہ صرف تاریخی واقعات کا بیان ہیں بلکہ وہ گہرے اخلاقی، تہذیبی اور دعوتی پیغامات کے حامل ہیں، جو انسان کے دل و دماغ پر براہِ راست اثر ڈالتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں المعجم الکبیر للطبرانی میں مذکور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ کو بطورِ خاص منتخب کیا گیا ہے، کیونکہ یہ واقعہ محض ایک فرد کے صدقہ یا غلامی سے متعلق نہیں، بلکہ ایمان، توکل، فقر، صبر، ایثار، اور عبدیت کی ایک مکمل تہذیب کو نمایاں کرتا ہے۔ یہ قصہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ اللہ کے مقرب بندے ہر حال میں، خواہ بازار جیسی دنیاوی جگہ ہو یا غلامی جیسی آزمائش دعوت الی اللہ کا عملی نمونہ ہوتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کا اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے لیے فروخت کر دینا اس بات کی علامت ہے کہ حقیقی فقر وہ ہے جو اختیار اور شعور کے ساتھ اللہ کے لیے اپنایا جائے، اور یہی فقر انسان کو باطنی آزادی اور روحانی رفعت عطا کرتا ہے۔ تاریخی مباحث میں حضرت خضر علیہ السلام کے تعارف، نسب، لقب، نبوت یا ولایت، اور حیاتِ استمراری جیسے اہم علمی اختلافات کو معتدل اور تحقیقی انداز میں بیان کیا گیا ہے، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ بعض امور میں اہلِ علم کے درمیان اختلاف موجود ہے، تاہم اس سے قصے کے دعوتی و اصلاحی پیغام پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے برعکس یہ اختلافات علمی تحقیق اور حدیثی منہج کی وسعت کو ظاہر کرتے ہیں۔ تہذیبی و دعوتی اعتبار سے یہ قصہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ اصل عزت دنیاوی آزادی، مال و دولت یا سماجی حیثیت میں نہیں بلکہ اللہ کی بندگی اور اس کی رضا میں ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کا کردار اس بات کا عملی نمونہ ہے کہ انسان بظاہر غلام ہو کر بھی حقیقت میں آزاد ہو سکتا ہے، اور بظاہر محرومی میں رہ کر بھی روحانی دولت کا مالک بن سکتا ہے۔ اس واقعے میں کردار کی دعوت، خاموش تبلیغ، صبر، شکر اور حسنِ اخلاق جیسے اوصاف اس انداز میں سامنے آتے ہیں کہ وہ محض الفاظ کی دعوت سے کہیں زیادہ مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔ تحقیق اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ احادیثِ نبوی ﷺ میں موجود قصص، خصوصاً قصۂ خضر علیہ السلام، عصرِ حاضر کے انسان کے لیے نہایت اہم رہنمائی رکھتے ہیں۔ یہ قصص انسان کو مادہ پرستی، خود غرضی اور ظاہری آزادی کے فریب سے نکال کر توکل، قناعت، ایثار اور عبدیت کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اگر امتِ مسلمہ ان قصص کے تہذیبی اور دعوتی پہلوؤں کو صحیح طور پر سمجھے اور اپنی عملی زندگی میں نافذ کرے تو فرد اور معاشرہ دونوں سطحوں پر مثبت اور دیرپا تبدیلی ممکن ہے۔ الغرض، حضرت خضر علیہ السلام کا یہ واقعہ ایک زندہ اور ہمہ زمانی پیغام ہے کہ جو شخص اللہ کی رضا کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ایسی عزت، اثر اور رہنمائی عطا فرماتا ہے جو دنیاوی پیمانوں سے ماورا ہوتی ہے، اور یہی قصصِ حدیث کا اصل مقصد اور حقیقی فائدہ ہے۔